ہ ان صفات الٰہیہ کو ذات الٰہیہ سے جدا اور غیر مانیں کیونکہ ارسطو اور اس کے متبعین انھیں یہ تعلیم دیا تھا کہ اگر صفات باری کو ذات باری کا عین نہ مانا جائے تو "تعدد قدماء" لازم ہے اور توحید کے عقیدہ سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور یہ ان کی رائے میں بدیہی کفر ہے۔ توحید ل معتزلہ کے عقائد کے بنیادی اصول ہیں اور اسی لئے انھوں نے اپنا نام "اصحاب عدل و توحید" رکھا۔

اب عدل اور توحید کے ان بنیادی عقائد سے چند اور عقیدے بطور تفریع لازم ے ہیں۔

۱۔ خدا تعالیٰ کے عدل سے یہ بات لازم آتی ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق اسی صورت میں وہ آزاد ہوگا اور اپنے افعال کا ذمہ دار۔ یہی قدریہ کا دعویٰ تھا، معتزلہ نے یہ قدر کو پوری طرح قبول کر لیا اور نظریہ کے صحیح جانشین بن گئے اگر بندہ اپنے افعال کا خود نہیں اور افعال کی تخلیق خدا کی جانب سے ہو تو بندہ اپنے افعال کا ذمہ دار کس طرح قرار جاسکتا ہے اور گناہ پر سزا کا کس طرح مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا خدا کا یہ ظلم نہ ہوگا کہ مجھے مجبور کر کے مجھ سے افعال کی بازپرس کرے اور دوزخ میں ڈال دے؟ اس طرح سارے معتزلہ اس امر میں اتفاق ہے کہ بندہ اپنے افعال اختیاری کا خالق ہے بعض افعال اس سے "بطریق مباشرت" پیدا ہوتے ہیں اور بعض "بطریق تولید"۔ تولید کے معنی یہ ہیں کہ فاعل کے ایک فعل سے دوسرا فعل واجب ہو جائے جیسے میری انگلی کا ہلنا انگوٹھی کے ہلنے کو واجب کر دیتا ہے اس دوسری حرکت کا بندہ اصلاً ارادہ نہیں کرتا تاہم اس کا موجد اسی کو قرار دیا جائے گا۔ ہاں ضرور صحیح ہے کہ اس کے لئے ایک اور فعل کا توسط ضروری ہے۔ ہدایت و ضلالت بندہ بطریق مباشرت" پیدا کرتا ہے اور ہر کامیابی و ناکامی اس مباشرت سے "بطریق تولید" پیدا ہوتی ہے

جو افعال کہ بالذات بندہ کی قدرت اور تاثیر سے صادر ہوتے ہیں ان کا نام معتزلہ نے افعال مباشرت رکھا اور جو افعال اس مباشرت کے بعد خود بخود پیدا ہوتے ہیں حالانکہ انسان ان کا قصد نہیں کرتا افعال مولّد تے ہیں۔

خدا کے پیدا کرنے کو اس میں کوئی دخل نہیں اور نہ خدا کی مشیت کو ان سے کوئی تعلق
بالفاظ دیگر بندہ کو اپنے افعال کا خالق قرار دینے کے یہ معنی ہیں کہ اسلام واطاعت کفر و عصیاں بندے کے اختیار سے ہوتے ہیں، ان میں خدا کے ارادے اور مشیت کو دخل نہیں۔ خدا تو ہر مخلوق سے اسلام اور اطاعت کا ارادہ کرتا ہے اور اسی کا امر کرتا ہے اور معصیت کی نہی کرتا ہے، ان کا ارادہ نہیں کرتا۔ ان سے منع کرتا ہے۔

چونکہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اس لئے بندہ کو ان افعال کی جزا دینا خدا پر وا ہے اور یہ خدا پر بندوں کا حق ہے۔ چونکہ خدا کے اختیار میں اصلح و لطف، ثواب و عذا پائے جاتے ہیں، کوئی مانع نہیں تو پھر ان کا ترک کرنا بخل ہوگا اور یہ عیب ہے جس سے ذات بار

اکثر معتزلہ کا یہ مذہب ہے کہ استطاعت یعنی قدرت فعل سے قبل ہوتی ہے لیکن معتزلہ (مثلاً محمد بن عیسیٰ اور ابو عیسیٰ وراق) کا خیال ہے کہ قدرت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اہل سنت کی بھی رائے ہے)

(۲) خدا کے تعالیٰ کے عدل سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ اس سے کوئی فعل خلا عدل و انصاف سرزد نہ ہو۔ معتزلہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حکیم کا کوئی فعل خیر و حکمت سے خالی ہوتا اور اس کی حکمت بندوں کے صلاح و فلاح کو ہمیشہ پیش نظر رکھتی ہے۔ اس لئے وہ بندو پر ظلم نہیں کر سکتا برے کاموں کو عمل میں نہیں لا سکتا جو چیز بہتر اور واجب ہے اس کو ترک نہ کر سکتا، بندوں کو امر محال کی تکلیف نہیں دے سکتا۔ تکلیف مالایطاق کے ساتھ بندے کا متکلف ہونا عقل بھی تجویز نہیں کرتی۔

معتزلہ کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اشیاء میں حسن و قبح کسی حاکم کے حکم کی وجہ سے نہیں ب

لہ اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے: خدا کے سارے افعال و احکام معلل ہیں مخلوق کی م کی رعایت کے ساتھ یعنی خدا کا کوئی کام ایسا نہیں جو غرض سے خالی ہو اور غرض ان میں بندوں کی بہتر اور بھلائی ہوتی ہے، اگر ان افعال وغیرہ کو غرض سے خالی تصور کریں تو ان کا عبث ہونا لازم آتا ہے اور یہ محا کیونکہ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ

خود اشیاء کی ذات میں داخل ہے۔ اشیاء کا یہی ذاتی حسن و قبح شارع کے امر و نہی کا باعث عقل بعض اشیاء کے حسن و قبح کے ادراک کی قابلیت رکھتی ہے اور ان کے حسن و قبح ہار کے لئے شرع کی ضرورت نہیں مثلاً سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا برا اس سے ہوتا ہے کہ اچھائی اور برائی چیزوں کی فی نفسہ ثابت ہے نہ کہ شرعاً اس کا ثبوت لازمی ہے شاد منکر فی نفسہ قبیح ہیں اسی لئے جناب باری نے ان سے منع کیا ہے نہ یہ کہ اس کے نے سے وہ فحشاء و منکر ہو گئے۔

معتزلہ کی توحید یعنی نفی صفات کے عقیدہ ۔۔۔ عقاید بطور تفریع لازم آتے ہیں

(۱) رویت باری کا انکار: معتزلہ کی رائے میں رویت بدوں مکاں و بدوں جہت ممکن ، چونکہ خدا مکان و جہت سے منزہ ہے اس لئے اس کی رویت نہ دنیا میں ہو سکتی ہے ت میں۔

(۲) قرآن کے مخلوق ہونے کا عقیدہ: معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدا کا ایک لام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔

(۳) معتزلہ کی رائے میں خدا کی رضا و غضب کو خدا کی صفات نہیں قرار دینا چاہئے بلکہ ے جنت و دوزخ مراد لینا چاہئے کیونکہ رضا و غضب احوال ہیں اور احوال متغیر ہیں، خدا ت تغیر سے منزہ ہے۔

معتزلہ کے چند اور عقائد کا اجمال یہ ہے:

(۱) عذاب و ثواب قبر، سوال منکر و نکیر کا انکار۔

(۲) علامات قیامت کا انکار، یاجوج ماجوج، خروج دجال کا انکار۔

(۳) بعض معتزلہ میزان کے وجود کو جائز سمجھتے ہیں مگر ثبوت کے قائل نہیں بعض اس جود کو محال کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ قرآن میں جو وزن اور میزان کا ذکر آیا ہے اس کا مطلب ، اتنا ہے کہ قیامت کے روز پورا پورا انصاف کیا جائیگا۔ ظاہر ہے کہ وزن اور میزان کے

ظاہری معنی لینا ناممکن ہے کیونکہ اعمال جن کو وزن کیا جانا بتلایا گیا ہے اعراض ہیں اور اعراض کس طرح وزن کیا جا سکتا ہے؟ عقل نظری اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ وزن تو صرف ہوا میں ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں خدا سب کچھ جانتا ہے پھر تولنے سے فائدہ کیا ہے۔ نیکی اور بدی کے صحیفوں کا ہاتھ میں دیا جانا جو قرآن میں مذکور ہے وہ بھی محض استعارہ ہے اس کا مطلب محض علم بخشنا ہے۔

(۴) معتزلہ کراماً کاتبین کے بھی منکر ہیں اس کی وجہ عقلی طور پر یہ بتلائی گئی ہے کہ خدا اُن افعال سے بخوبی واقف ہے جو بندے سے سرزد ہوتے ہیں "محافظین" کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں علم حاصل نہ ہو سکے "کراماً کاتبین" اس صورت میں ضروری ہوتے جب (معاذ اللہ) جاہل ہوتا اور بندوں کے افعال سے براہ راست واقف نہ ہوتا۔

(۵) معتزلہ حوض کے بھی منکر ہیں، پل صراط کا بھی انکار کرتے ہیں۔ دوزخ جنت کو موجود نہیں مانتے بلکہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ قیامت کے دن موجود ہوں گے۔

(۶) معتزلہ "میثاق" کے منکر ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ خدا نے نہ کسی پیغمبر سے کلام کیا اور نہ کسی فرشتہ سے اور نہ حاملان عرش سے اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔

(۷) معتزلہ کے عقیدہ کی رو سے ایمان میں تصدیق کے ساتھ اعمال بھی داخل ہیں ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ مومن نہیں، مگر وہ اس کو کافر بھی نہیں کہتے اس کو معتزلہ بین المنزلتین میں جگہ دیتے ہیں منزلتین کفر و ایمان سے مراد ہے اور درمیانی منزل فسق ہے، مرتکب کبیرہ اگر بغیر توبہ کئے مر جائے تو ان کے عقیدہ کی رو سے ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

(۸) یہ کرامات اولیاء کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اس سے انبیاء کے معجزات کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جائے گا جہمیہ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

(۹) یہ معراج کے بھی منکر ہیں کیونکہ اس کا ثبوت خبر آحاد سے ہے جو نہ عمل کو واجب کرتی ہے اور نہ اعتقاد کو مگر رسول اللہ صلعم کے بیت المقدس تک جانے کے منکر نہیں۔

(۱۰) ان کے نزدیک عبادت کا ثواب سوائے فاعل کے غیر کی ذات کو نہیں پہنچتا خواہ عبادت مالی ہو یا بدنی، خواہ مرکب ہو مال اور بدن سے۔

(۱۱) چونکہ قضا و قدر کا بدلنا ممکن نہیں لہذا دعا لغو فعل ہے، اس سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ جس مقصد کے لئے دعا کی جاتی ہے اگر وہ مقدر کے مطابق ہے تو اسے مانگنا عبث ہے اور اگر مخالف ہو تو اس کا موجود ہونا ناممکن ہے۔ معتزلہ کے مردے استغفار و صدقات سے جو نجات کا بڑا وسیلہ ہیں محروم رہ جاتے ہیں۔

(۱۲) ان کا عموماً یہ قول ہے کہ ملائکہ علوی انبیاء سے افضل ہیں۔

(۱۳) ان کے نزدیک امت پر امام کا تقرر عقلاً واجب ہے آنحضرت صلعم نے کسی کی امامت کے لئے نص نہیں کی تھی امام کا قریشی ہونا مشروط نہیں۔

(۱۴) ان کے عقیدہ کی رو سے مجتہد کی رائے میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی جیسا کہ عامہ متکلمین اشاعرہ کی رائے ہے کہ المجتہد قد یخطی وقد یصیب۔

معتزلہ اور اہل سنت کا اختلاف زیادہ تر پانچ اہم مسائل میں ہے:

(۱) مسئلہ صفات (۲) مسئلہ رویت (۳) مسئلہ وعد و وعید (۴) مسئلہ ایجاد افعال خلق (۵) مسئلہ مشیئت

ابن حزم نے ملل و نحل میں لکھا ہے کہ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ

(۱) قرآن غیر مخلوق ہے۔

(۲) بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر سے ہیں۔

(۳) جو آخرت میں دیدار الٰہی کا قائل ہو۔

(۴) اور جو ان صفات الٰہی کا اقرار کرے جو قرآن و حدیث میں ثابت ہیں اور جو گناہ کبیرہ کو دائرہ ایمان سے خارج نہ کرے وہ معتزلی نہیں قرار دیا جائے گا گو دوسرے تمام عقائد میں معتزلہ کے ساتھ اتفاق کرتا ہو۔

تبصرہ

معتزلہ کے ان عقاید پر جن کا اجمالاً اوپر ذکر ہوا ایک سرسری نظر ہی ہمارے اس دعویٰ کو ثابت کردے گی کہ یہ عقلیہ کا ایک گروہ ہے جو تمام عقاید اسلامی کو عقل نظری سے جانچتا ہے اور جو عقل کی رسائی سے باہر ہوں انکو فوراً ترک کر دیتا ہے اور اس کی فلسفیانہ توجیہہ کر لیتا ہے۔ عقلیت کے ان ہی متوالوں کو مخاطب کر کے شاید عارف رومی نے کہا تھا :

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ حسبی اللہ گو کہ اللہ ام کفی
زیں خرد جاہل ہمی باید شدن دست در دیوانگی باید زدن
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد ایں عسس را دید و در خانہ نشد

اور علامہ اقبال نے زمانۂ حال میں ان ہی کو پیش نظر رکھ کر شاید کہا ہے :

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

معتزلہ اور اہل سنت میں جن اہم مسائل میں اختلاف ہے اس پر بحث تو آنے والے صفحات میں تمہاری نظر سے گذرے گی یہاں عقل پرستوں کی دو ایک بنیادی غلط فہمیوں کا رفع کرنا مقصود ہے بات اصل یہ ہے کہ "کسی چیز کا سمجھ میں نہ آنا دلیل اس کے باطل ہونے کی نہیں" کیونکہ غور کرنے سے فوراً سمجھ میں آجائے گا کہ کسی شئے کے باطل ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ دلیل کی رو سے اس کا نہ ہونا ثابت ہو جائے ظاہر ہے کہ ان دونوں امر میں یعنی ایک یہ کہ اس کا ہونا سمجھ میں نہ آئے اور ایک یہ کہ اس کا نہ ہونا دلیل کی رو سے ثابت ہو جائے اور اس طرح سمجھ میں آجائے فرق عظیم ہے۔ اول کا (یعنی یہ کہ اس کا ہونا سمجھ میں نہ آئے) حاصل یہ ہے کہ عدم مشاہدہ کی وجہ سے اس چیز کے اسباب یا کیفیات کا ذہن کو احاطہ نہیں ہوا، اس لئے ان اسباب یا کیفیات کی تعیین میں تحیر و تردد ہے لیکن سوائے یہ کہنے کے یہ کیوں کر ہوگا ذہن کو یہ قدرت حاصل نہیں کہ اس کی نفی پر کوئی دلیل صحیح خواہ عقلی ہو یا نقلی قایم کر سکے اور دوسرے کا (یعنی یہ کہ اس کا نہ ہونا ثابت ہو جائے) حاصل یہ ہے کہ عقل اس کی نفی پر صحیح دلیل قایم کر سکے، عقلی یا نقلی مثال کے طور پر کسی دیہاتی کو جو

جس کو ریل دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا اس نے سنا کہ ریل کسی جانور کے گھسیٹنے کے بغیر خود بخود چلتی ہے تو وہ تعجب سے کہے گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس پر قادر نہیں کہ اس کی نفی پر دلیل قایم کر سکے کیونکہ اس کے پاس خود اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ بجز جانور کے گھسیٹنے کے گاڑی کی تیز حرکت کا کوئی اور سبب نہیں ہو سکتا۔ اس کو سمجھ میں نہ آنا کہتے ہیں اگر وہ محض اتنی وجہ سے نفی کا حکم کرنے لگے اور راوی کی تکذیب کرنے لگے تو عقلاً اس کو بیوقوف سمجھیں گے اور اس کو بے وقوف سمجھنے کی بنا صرف یہی ہوگی کہ تیری سمجھ میں نہ آنے سے نفی کیسے لازم آئی؟ یہ مثال ہے سمجھ میں آنے کی)

اگر کوئی شخص کلکتہ سے ریل میں ہوکر دہلی اترا اور ایک شخص نے اس کے روبرو بیان کیا کہ یہ گاڑی کلکتہ سے دہلی تک آج ایک گھنٹے میں آئی تو وہ مسافر اس کی تکذیب کرے گا اور اس کے پاس اس کی نفی کی دلیل موجود ہے جو اس کا اپنا مشاہدہ ہے اور سو دو سو مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت ہے جو اسی گاڑی سے اترے ہیں یہ مثال ہے اس کی کہ اس کا نہ ہونا دلیل سے ثابت ہو جائے اور سمجھ میں آجائے۔

اب اگر کسی نے سنا کہ قیامت کے روز پل صراط پر چلنا ہوگا اور وہ بال سے باریک ہوگا تو چونکہ اس نے کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں اس لئے یہ تعجب ہوگا کہ یہ کیوں کر ہوگا تعجب نہیں لیکن ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر عقل کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ سرسری نظر میں دلیل اگر ہو سکتی ہے تو یہ ہو سکتی ہے کہ قدم تو اتنا چوڑا اور قدم رکھنے کی چیز اتنی کم چوڑی تو اس پر پاؤں کا ٹکنا اور چلنا ممکن نہیں لیکن خود اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ مسافت کی وسعت قدم سے زیادہ ہونا عقلاً ضروری ہے یہ اور بات ہے کہ عادت یوں ہی دیکھی گئی ہے کہ اس کے خلاف نہ دیکھا گیا ہو مگر اتنا تفاوت نہ دیکھا ہو جیسے بعض کو رسی پر چلتے دیکھا ہے مگر اس میں کیا محال ہے کہ وہاں عادت بدل جائے اس بنا پر اگر کوئی تکذیب کرے گا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہوگی جس نے ریل از خود چلنے کی تکذیب کی تھی (الانتباہات المفیدہ عن الاشتباہات الجدیدہ مولانا اشرف علی تھانوی)

اب ایک اور اصول موضوعہ پر غور کرو: "جو امر عقلاً ممکن ہو اور دلیل نقلی صحیح اس کے وقوع کو بتلاتی ہو اس کے وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے اسی طرح اگر دلیل نقلی اس کے عدم وقوع کو بتلائے تو عدم وقوع کا قائل ہونا ضروری ہے۔"

اس کی توضیح اس طرح کی جا سکتی ہے: واقعات تین قسم کے ہوتے ہیں

(۱) وہ جن کے ہونے کو عقل ضروری اور لازمی بتلائے مثلاً ایک آدھا ہے دو کا۔ یہ امر ایسا لازم الوقوع ہے کہ ایک اور دو کی حقیقت جاننے کے بعد عقل اس کے خلاف کو یقیناً غلط سمجھتی ہے اس کو واجب کہتے ہیں۔

(۲) وہ جن کے نہ ہونے کو عقل ضروری اور لازمی بتلائے مثلاً ایک مساوی ہے دو کا، یہ امر ایسا لازم النفی ہے کہ عقل اس کو یقیناً غلط سمجھتی ہے اس کو ممتنع اور محال کہتے ہیں۔

(۳) وہ جن کے وجود کو نہ عقل لازم بتلائے اور نہ نفی کو ضروری سمجھے بلکہ دونوں شقوں کو محتمل قرار دے اور ہونے نہ ہونے کا حکم کرنے کے لئے کسی اور دلیل نقلی پر نظر کرے، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں شہر کا رقبہ فلاں شہر سے زائد ہے۔ یہ زائد ہونا ایسا امر ہے کہ قبل جانچ کرنے یا جانچ والوں کی تقلید کرنے کے عقل نہ اس کی صحت کو ضروری قرار دیتی ہے اور نہ اس کے بطلان کو بلکہ اس کے نزدیک احتمال ہے کہ یہ حکم صحیح ہو یا غلط ہو، اس کو ممکن کہتے ہیں۔

ایسے امر ممکن کا ہونا اگر دلیل نقلی صحیح سے ثابت ہو اس کے ثبوت و وقوع کا اعتقاد واجب ہے اور اگر اس کا نہ ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے عدم وقوع کا اعتقاد ضروری ہے۔[ل]

اب معتزلہ نے جن عقاید کا انکار کیا ہے ان پر ایک نظر ڈالو اور دیکھو کیا ان کا ہونا عقلاً ناممکن ہے؟ کیا وہ محال و ممتنع کی قسم میں داخل ہیں؟ کیا عذاب و ثواب قبر، سوال منکر و نکیر، میزان، صراط، کراماً کاتبین، حوض وغیرہ کا نہ ہونا دلیل عقلی کی رو سے معلوم ہو گیا ہے؟ کیا ان کا ہونا اگر معتزلہ کی سمجھ میں نہ آئے یا کسی زمانہ جدید کی تہذیب کے گرفتار، عقل نظری کے پرستار کے فہم سے

ل دیکھو ایضاً صفحہ ۱۴ و ۱۵

وراء ہو تو ان کو باطل قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا محض ان کی سمجھ میں نہ آنا ان کے عدم کی دلیل ہو سکتا ہے؟ تو پھر ہم کیوں نہ اس دیہاتی کو حق بجانب سمجھیں جو ریل کے وجود کا انکار کرتا ہے محض اس لئے کرتا ہے کہ وہ تصور نہیں کر سکتا کہ بغیر جانوروں کے گھسیٹنے کے گاڑی چل سکتی ہے؟ کیا تجربہ حواس و عقل کے ماوراء حقائق کو نبی کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی؟ کیا اس کی بات پر ہوں کا توں یقین کرنا "ایمان" نہیں؟ کیا اس کی بات کا انکار کفر نہیں؟ کیا اس کی بات میں اپنی بات کا ملانا بدعت نہیں؟ کیا اس کی بات کو معاشرہ کے تمرد قوت کی وجہ سے بظاہر ماننا اور دل میں شکوک و اوہام کو جگہ دینا نفاق نہیں؟ مخبر صادق ہی کی بات کا ماننا یہاں سب سے بڑی عقلمندی ہے۔ عقل نظری کو علم الٰہی کے تابع کر دینے کے بعد ہی بقول عارف رومی انسان ہمہ تن سرِ عقل ہو جاتا ہے:-

زیں ہمہ از حیرت گر ایں عقلت رود ہر سر موئیت سر و عقلے بود

معتزلی فرقے

معتزلہ کے عقائد کا بیان جو اوپر پیش کیا گیا، پڑھ کر یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ یہ تمام عقائد میں باہم متفق ہیں ان کا آپس میں اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ ابو ہذیل علاف نے دس مسئلوں میں اپنے اصحاب سے اختلاف کیا ہے، ابراہیم بن سیار نظام نے تیرہ مسائل میں بشیر بن معتمر نے چھ مسائل میں، معمر بن عمار سلمی نے چار میں عمرو بن بحر جاحظ نے پانچ میں اپنے ساتھیوں سے اختلاف کیا ہے ابو الحسین بن ابی عمر و خیاط اور اس کے اتباع "معتزلہ بغداد" کہلاتے ہیں اور محمد بن عبدالوہاب جبائی اور اس کا لڑکا ابو ہاشم اور ان کے متبع "معتزلہ بصرہ" کے نام سے مشہور ہیں۔

معتزلہ کے اہم فرقے اور ان کے عقائد و افکار کا اجمال یہ ہے:

۱۔ واصلیہ: ابی حذیفہ واصل بن عطا (سنہ ۸۰ھ تا سنہ ۱۳۱ھ) کے پیرو ہیں اس فرقے

کو حسنیہ بھی کہتے ہیں اور اس طرح حسن بصری کی طرف منسوب کرتے ہیں جو قطعاً غلط واصل مدینہ میں سنہ ۸۰ میں پیدا ہوا اور بصرہ میں نشو ونما پائی اس کی نشست "سوق غزل" میں ہوا کرتی تھی۔ "سوق غزل" سے مراد وہ بازار ہے جہاں عورتیں سوت لایا کرتی تھیں واصل یہاں پارسا عورتوں کو پہچان کر صدقہ وخیرات دیا کرتا تھا۔ لوگوں نے اس کا نام غزال رکھ دیا واصل کی گردن بہت لمبی تھی، عمرو بن عبید نے جو ایک مشہور معتزلی ہے کو دیکھ کر ایک بار کہا کہ "من هذه عنقه لاخير عنده" یعنی جس کی گردن اتنی لمبی ہوگی وہاں کوئی بھلائی نہ ہوگی واصل "الثغ" تھا یعنی حرف "ر" اس کی زبان سے صحیح نہیں نکلتا تھا وہ نہایت فصیح زبان اور قادر الکلام شخص تھا اور اپنی بات چیت میں "ر" کو قطعاً قطع کر دیا زبان پر آنے ہی نہیں دیتا تھا حالانکہ اس حرف سے اجتناب نہایت مشکل چیز ہے اس ایک بڑا رسالہ لکھا ہے جس میں اس حرف کا ذکر نہیں وہ اکثر خاموش رہا کرتا تھا لوگ کہتے کہ وہ گونگا ہے۔

واصل ابو ہاشم عبداللہ بن محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا لیکن امامت کے مسئلہ میں بعض دوسرے مسائل میں اپنے استاد کا مخالف تھا۔ وہ اعتزال کے پہلے حضرت امام کی مجلس میں رہا کرتا تھا۔

کتاب المنزلہ بین المنزلتین، کتاب الفتیا، کتاب التوحید اس کی تصنیفات ہیں علم الکلام میں پہلی کتابیں واصل ہی کی ہیں علامہ ابن خلکان نے اس کی تصنیفات کے نام گنائے ہیں۔[۱]

امام عبدالکریم الشہرستانی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اعتزال چار قواعد پر چکر کھاتا ہے۔ (باقی آ

---

[۱] صفحہ ۲۰ تا ۲۲، مطبوعہ مطبع الحیدری بمبئی

جامع قرطبہ

از

(جناب مولوی محمد ظفیر الدین صاحب استاذ دار العلوم معینیہ، سانخر)

یرترتیب "تاریخ مساجد" سے ایک مسجد کا حال حاضر خدمت ہے ناظرین کرام سے
قع ہے کہ ہندوستان و پاکستان کی ان مسجدوں کی تفصیل سے مطلع فرمائیں جن کا تذکرہ
ریخ میں یا تو نہیں ہے یا برائے نام ہے اور اگر کسی ضلع، صوبہ یا اور کسی خاص جگہ کی تاریخ
بھی ہو تو مطلع کریں۔ (ظفیر)

اندلس جس کو آج کل اسپین کہتے ہیں اس کی یاد ابھی تازہ ہوگی تاریخ میں یہ نام بہت
ور پڑھنے والوں کے لئے یہ باب عبرت و بصیرت کا مرقع ہے۔ عبدالرحمٰن اول نے اس
جو ترقیاں دیں وہ تاریخ کا سنہرا باب ہے، یہ وہ حکمراں ہے جس کی دولت کا اندازہ لگاتا
ہے، غیروں کو بھی اعتراف ہے کہ اس کے پاس جو دولت تھی وہ اس وقت کے کسی
سے بادشاہ کو میسر نہ تھی، مگر بایں ہمہ عبدالرحمٰن اتقاء اور پرہیزگاری میں بھی مسلّم تھا، اور
کے عیش پرست طبقہ اور ان کی بدنگاہی سے پاک تھا، فرائض دینی کا برابر پابند رہا، اور اپنی
کو اس نے کبھی فراموش نہ کیا۔[1]

حکومت کے انتظام اور اس کی دیکھ بھال سے جب اس کو فرصت ہوئی، تو اس نے
کا اندازہ کیا، اور یہ جذبہ اس کے دل میں جاگزیں ہوگیا کہ قرطبہ میں ایک ایسی مسجد کی تعمیر
کی جائے جو اپنی آپ مثال ہو اور صنعت و دلربائی میں موجودہ مساجد سے فائق ہو مشرق

[1] (الاندلس باب ہشتم صفحہ ۱۶۲)

سے یہ اپنے ساتھ علم معماری اور مذاق عمارت لایا تھا، اور نقشہ جامع کی مہارت کے ساتھ ساتھ فن تعمیر کی بھی خاصی واقفیت رکھتا تھا۔[1]

قرطبہ اس وقت بہت ترقی یافتہ شہر تھا اس نے اسی مناسبت سے پہلے خود نقشہ بنایا۔ ایک دیندار بادشاہ مسجد کا نقشہ جو تیار کر سکتا ہے اس سے وہ بہت زیادہ جاذب نظر اور جنت نگاہ تھا، پھر خود اس نے اس عظیم الشان مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور ۱۷۰ھ میں باضابطہ اس کام کی ابتداء کر دی[2]، اس وقت یہ عمر کا بڑا حصہ گذار چکا تھا اور کبر سنی میں قدم رکھ چکا تھا اس لئے اس نے کام میں بڑی عجلت کی اور مزدوروں کی کثیر تعداد جس حد تک ممکن ہے مسجد کی تعمیر میں لگا دی کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ نقشہ اتنا عظیم الشان ہے، اور میری عمر اپنا کافی راستہ طے کر چکی ہے اگر کام میں عجلت نہ کی گئی تو اس کی بنیاد میری نگاہوں کے سامنے نمایاں نہ ہو سکے گی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کمی کس چیز کی تھی؟ آن کی آن میں دور دراز صوبوں سے اس سلسلہ کی آمدنی پہنچ گئی، مسالے، سامان اور رنگوں کی کمی نہ رہی، ادھر بادشاہ نے خود ایک گھنٹہ مزدوروں کے ساتھ کام شروع کر دیا، جس سے قدرتی طور پر مزدوروں میں امنگ اور جذبۂ کارکردگی دوچند ہو گیا خزانہ میں کسی چیز کی کمی تھی ہی نہیں چنانچہ اس نیک کام کے لئے خزانہ کا منہ کھول دیا گیا ان چیزوں نے مل ملا کر پبلک کو بھی متاثر کیا اور کام پوری سرعت سے انجام پذیر ہونے لگا پھر بھی یہ عظیم الشان مسجد عبد الرحمٰن اول کے زمانۂ حیات میں تکمیل کو نہ پہنچ سکی اس نے اس مسجد پر اپنے ہاتھوں سے دو لاکھ طلائی سکوں سے زیادہ خرچ کیا[3]۔ عبد الرحمٰن نے اپنی زندگی کے اخیر دور میں ایک دن اس ادھوری مسجد میں ایک بڑا اجتماع کیا اور اس نامکمل مسجد کو شاہی پردوں سے سجایا اور پھر خود سفید کپڑوں میں ملبوس داخل ہوا، اور پبلک سے اپنا درد دل کہا، اس واقعہ کے چند ہفتوں کے بعد عبد الرحمٰن راہی ملک عدم ہوا اور لوگوں نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔

---

[1] تاریخ اسپین صفحہ ۲۶۵ [2] تمدن عرب فصل چہارم۔ ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ میں سنگ بنیاد کا سن ۱۵۹ھ ۷۸۶ء لکھا ہے ۱۲ منہ [3] تاریخ اسپین صفحہ ۲۶۴